

عرب کا قبائلی نظام اور اسلام کی اصلاحات

سید جلال الدین عمری

قبائلی نظام کے طبقات:

اسلام کے آنے سے پہلے اہل عرب قبائلی زندگی گزارتے تھے۔ قبیلہ خاندان سے وجود میں آتا ہے۔ اسے یوں بھی کہا جاسکتا ہے کہ خاندان جب وسعت اختیار کرتا ہے تو قبیلہ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اہل عرب کے ہاں اس کا ایک نظام تھا۔ اسے انھوں نے اوپر سے نیچے تک چھ درجات میں تقسیم کر رکھا تھا۔ جنہیں وہ شعب، قبیلہ، عمارہ، بطن، فخذ اور فسیلہ سے تعبیر کرتے تھے۔^۱

’شعب‘ قبائل کے مجموعہ کو کہا جاتا ہے۔ اس کی جمع شعوب ہے۔ شعب کے لفظی معنی شاخ دار ہونے کے ہیں۔ شعب وہ ہے جہاں سے قبیلہ شاخ در شاخ ہوتے ہیں۔ علامہ قرطبی کہتے ہیں: ’الشعوب رؤوس القبائل‘ یعنی قبائل کے سرے (جہاں سے قبائل شروع ہوتے ہیں) جیسے ربیعہ، مضر، اوس اور خزرج۔^۲

قبیلہ کے اندر بہت سے خاندان یا ’عمار‘ ہوتے ہیں۔ عمارہ بطون پر مشتمل ہوتا ہے۔ بطون جمع ہے بطن کی۔ بطن میں افخاذ ہوتے ہیں۔ اس کا واحد ’فخذ‘ ہے۔ فخذ کے نیچے فصائل، ہوتے ہیں۔ یہ ’فسیلہ‘ کی جمع ہے۔

حجاز کے عرب حضرت اسماعیلؑ کی نسل سے تھے۔ اس سے بہت سی شاخیں ہوتی چلی گئیں۔ کئی پشتوں کے بعد خزیمہ بن عامر (مدرکہ) کا خاندان وجود میں آیا۔ خزیمہ کی اولاد میں کنانہ تھا۔ کنانہ کے کئی لڑکے تھے۔ ان میں سے ایک کا نام نضر تھا اور

^۱ زبیری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۳۶۵-۳۶۶۔ قرآن مجید میں ان میں سے بعض اصطلاحات استعمال ہوئی ہیں اور بعض الفاظ لغوی معنی میں آئے ہیں۔

^۲ قرطبی، الجامع لاحکام القرآن، جلد ۸، جزء ۱۶، ص: ۲۲۳

نضر بن کنانہ کو قریش کہا جاتا ہے۔

اس تقسیم کو سمجھانے کے لیے علامہ زخمریؒ کہتے ہیں: خزیمہ 'شعب' اور کنانہ اس کا قبیلہ ہے۔ کنانہ سے قریش 'عمارہ' ہے۔ قریش میں قصی 'بطن' ہیں۔ قصی سے ہاشم 'فخذ'، اور عباس 'فصیلہ'۔

کلبی نے ان چھ طبقات میں سے پانچ طبقات کا اسی ترتیب سے ذکر کیا ہے، البتہ آخری طبقہ 'فصیلہ' کا ذکر اس کے ہاں نہیں ہے۔ بعض اہل علم نے 'فصیلہ' کے بعد 'عشیرہ' کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ اس سے مراد خاندان کے قریب ترین افراد ہیں۔

امام رازیؒ شعب کی جگہ 'قبیلہ' کو اساس قرار دیتے ہیں۔ ان کے نزدیک اس کے تحت شعوب، بطون، افخاذ، فصائل اور اقارب آتے ہیں۔ اس تفصیل سے اتنی بات واضح ہے کہ عرب کا قبائلی نظام مختلف درجات میں تقسیم تو تھا، لیکن ان میں کیا ترتیب تھی اور اس کے لیے کیا اصطلاحات استعمال کی جاتی تھیں، اس میں کسی قدر اختلاف ہے۔

معابدہ کے ذریعہ خاندان میں شمولیت:

خاندان کا تعلق اصلاً خونِ رشتہ اور حسب و نسب ہے۔ لیکن بعض اوقات کوئی نوجوان اپنی شکل و صورت اور وجاہت کی وجہ سے کسی کو پسند آجاتا تو اسے وہ اپنا لیتا اور

۱۔ ابن کثیر، السیرة النبویة، دار المعارف، بیروت ۱۹۸۳ء، ۸۳/۱-۸۳ و ما بعد
۲۔ زخمری، الکشاف: ۳۶۲/۴۔ بیضاوی نے اپنی تفسیر میں یہی تفصیل پیش کی ہے۔ معالم التنزیل و اسرار التاویل: ۳/۲۱۸۔

۳۔ الشعب اکبر من القبیلہ، ثم القبیلہ، ثم العمارۃ، ثم البطن، ثم الفخذ۔ ابن منظور، لسان العرب، دار صادر بیروت ۱۹۹۴ء، مادہ قبل ۱۱/۵۴۱۔

۴۔ ابن کثیر کہتے ہیں: قال علماء النسب یتقال شعوب، ثم قبائل، ثم عمار، ثم بطون، ثم افخاذ، ثم فصائل، ثم عشائر، والعشیرة اقرب الناس الی الرجل ولیس بعدہ شیء۔ السیرة النبویة: ۶/۱۔

۵۔ رازی، التفسیر الکبیر، دار الکتب العلمیہ، لبنان ۱۹۹۰ء، جلد ۱۴، جزء ۲۸، ص ۱۱۸۔

وہ اسی کی طرف منسوب ہونے لگتا۔ ۱۔

اس مقصد سے ان میں معاہدہ بھی ہوتا جس کی رُو سے وہ ایک دوسرے کی مدد کے پابند اور ایک دوسرے کے وارث قرار پاتے اور انھیں وہی حقوق حاصل ہوتے جو آدمی کے قریب ترین افراد کو حاصل ہوتے ہیں۔

قتادہ کہتے ہیں۔

زمانہ جاہلیت میں ایک شخص دوسرے شخص سے معاہدہ کرتا اور کہتا کہ میرا خون تمہارا خون ہے (کوئی مجھے قتل کر دے تو تم قصاص یا دیت کا اسی طرح مطالبہ کر سکتے ہو جس طرح اپنے کسی عزیز کے خون کے مطالبہ کا تمہیں حق ہے) جس نے میری عزت پر حملہ کیا گویا اس نے تمہاری عزت پر حملہ کیا (یا جس قاتل کو میں نے معاف کیا تم نے بھی اسے معاف کیا) تم میرے وارث ہو گے اور میں تمہارا وارث ہوں گا۔ مجھ پر زیادتی ہو تو اس کے بدلہ کا تم مطالبہ کرو گے اور تم پر زیادتی ہو تو میں اس کے بدلہ کا مطالبہ کروں گا۔

كان الرجل في الجاهلية يعاقد
الرجل فيقول دمي دمك وهدمي
هدمك وترثني وأرثك وطلب
بي واطلب بك. ۲۔

تفسیر کی کتابوں میں اس معاہدہ کا ذکر کسی قدر تفصیل سے ملتا ہے۔ ۳۔

۱۔ قرطبی کہتے ہیں: كان الرجل في الجاهلية اذا اعجبه من الرجل جلد وظرفه ضمته الى نفسه وجعل له نصيب الذكور من اولاده من ميراثه وكان ينسب اليه فيقال فلان بن فلان. قوطبي، الجامع لاحكام القرآن، جلد ۷، جزء ۱۴، ص ۸۰ (زمانہ جاہلیت میں جب کسی کو کسی کی قوت و توانائی اور سوجھ بوجھ پسند آ جاتی تو اسے وہ اپنا لیتا اور وراثت میں اس کا حصہ اپنی زریعہ اولاد کے برابر قرار دے دیتا۔ اس کے بعد اس کی طرف اس کی نسبت ہو جاتی اور کہا جانے لگتا کہ فلاں شخص فلاں کی اولاد ہے)

۲۔ ابن جریر، جامع البیان عن تاویل آی القرآن۔ تحقیق محمود محمد شاہ، دار المعارف مصر ۱۹۷۱ء، ص ۲۷۵۔ یہی بات نکرمنے ان الفاظ میں کہی ہے: كان الرجل يقول للرجل ترثني وأرثك، وتنصرتني وأنصرك، وتعقل عني وأعقل عنك، ص ۳۳

۳۔ ملاحظہ ہو۔ بغوی، معالم التنزیل، نیز خازن، لباب التأویل، دار الکتب العلمیہ، لبنان ۱۹۹۵ء، ص ۲/۵۹

زنجبری کہتے ہیں:

ایک آدمی دوسرے آدمی سے معاہدہ کرتا تو کہتا کہ میرا خون تمہارا خون ہے، میرے خون کا رائیگاں جانا تمہارے خون کا رائیگاں جانا ہے۔ میرے خون کا بدلہ لینا یا انتقام لینا تمہارا بدلہ یا انتقام لینا ہے۔ میری جنگ تمہاری جنگ اور میری صلح تمہاری صلح ہے۔ تم میرے وارث ہو گے اور میں تمہارا وارث ہوں گا۔ مجھ پر زیادتی ہو تو تم میرے بدلہ کا مطالبہ کر گے اور تم پر زیادتی ہو تو میں تمہارے بدلہ کا مطالبہ کروں گا۔ تم میری طرف سے دیت ادا کرو گے اور میں تمہاری طرف سے دیت ادا کروں گا۔

كان الرجل يعاقد الرجل فيقول
دمى دمك وهدمى هدمك
ونارى نارك، وحرى حربك،
وسلمى سلمك وترثى وارثك،
وتطلب بى واطلب بك وتعقل
عنى واعقل عنك. ۱۔

قبیلہ کا حلیف:

کبھی یہ بھی ہوتا کہ ایک شخص کسی قبیلہ میں پہنچ جاتا، اسے وہ اپنا حلیف بنا لیتے کہ وہ ان ہی کا ایک فرد ہے۔ اس کے ساتھ حسن سلوک اور ہمدردی کا رویہ اختیار کیا جاتا، لیکن اس میں بعض اوقات زیادتیاں بھی ہوتی تھیں۔ اپنا حق ہوتا یا کسی سے جنگ کرنی ہوتی تو اس سے فائدہ اٹھاتے، لیکن اگر اس کے حق کی بات ہوتی تو نظر انداز کرنے لگتے۔ ۲۔

عرب میں متنبیٰ بنانے کا رواج تھا۔ اس کا طریقہ یہ تھا کہ ایک شخص کسی

۱۔ زنجبری، الکشاف عن حقائق التنزیل: ۴۹۳/۱۔ یہی الفاظ السیرة الحلییة، ۴۴۰/۱ میں بھی ملتے ہیں۔ اس طرح کے حلیف کا وراثت میں کتنا حصہ ہوتا ہے اس سلسلے میں مختلف اقوال ملتے ہیں۔ بعض روایات سے صرف اتنی بات معلوم ہوتی ہے کہ وہ ایک دوسرے کے وارث ہوتے تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ اس کا حصہ لڑکے کے حصہ کے برابر ہوتا تھا۔ ایک دوسرا قول ہے کہ وہ چھٹے حصہ کا حق دار سمجھا جاتا تھا۔ اس موضوع پر راقم نے اپنے ایک غیر مطبوعہ مضمون میں تفصیل سے بحث کی ہے۔

۲۔ طبری، جامع البیان: ۲۸۰/۸۔

عرب کا قبائلی نظام اور اسلام کی اصلاحات

(نوجوان) کو اپنا بیٹا قرار دے کر اس کا اعلان کر دیتا۔ اب دونوں کا تعلق باپ بیٹا کا ہو جاتا۔ وہ اسی کی طرف منسوب ہوتا۔ اس کی بیوی متغنی کی ماں ہوتی۔ اس کی اولاد اس کے بھائی بہن ہوتے۔ ان کے درمیان اس کا خلا ملا اسی طرح ہوتا جس طرح اولاد کا ہوتا۔ وہ ایک دوسرے کے وارث بھی ہوتے۔

حضرت زید بن حارثہ کا واقعہ مشہور ہے۔ زید بن حارثہ کی والدہ سعدی بنت ثعلبہ اپنے قبیلہ بنو معن گئیں۔ ساتھ میں کم سن زید بن حارثہ کو لے گئیں۔ اس دوران میں بنو القین کے لوگوں نے اس قبیلہ پر حملہ کر دیا۔ اسی میں حضرت زید کو بھی لے گئے اور بازار عکاظ میں غلام کی حیثیت سے فروخت کر دیا۔ حکیم بن حزام نے انھیں خرید کر اپنی پھوپھی حضرت خدیجہؓ کو دے دیا۔ حضرت خدیجہؓ نے انھیں رسول اللہ ﷺ کو بہہ فرما دیا۔ یہ آپ کی خدمت میں تھے کہ ان کے والد اور چچا انھیں لینے کے لیے آئے۔ رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ وہ چاہیں تو ان کے ساتھ جا سکتے ہیں اور چاہیں تو آپ کے ساتھ رہ سکتے ہیں۔ حضرت زید نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ رہنے کو ترجیح دی۔ اس کے بعد آپ نے انھیں آزاد کر کے متغنی بنا لیا۔ حرم میں لے گئے اور لوگوں کے درمیان اعلان کیا اشہدوا هذا ابني يرثني وارثه (گواہ رہو کہ یہ میرا بیٹا ہے۔ یہ میرا وارث ہوگا اور میں اس کا وارث ہوں گا) اس کے بعد سے آپ کو زید بن محمد کہا جانے لگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں۔

ما كنا ندعو زيد بن حارثة الا زيد بن ہم زید بن حارثہ کو زید بن محمد (علیہ السلام) ہی
محمد ۲ کہا کرتے تھے۔

علامہ قرطبیؒ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ کا یہ قول دلیل ہے اس بات کی کہ:

۱ ابن عبد البر، الاستیعاب فی اسماء الاصحاب: ۱۱۴/۲-۱۱۸۔ ابن اثیر، اسد الغابہ: ۳۵۱/۲-۳۵۳
۲ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، سورۃ الاحزاب، باب ادعوہم لابنائہم، صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابہ، باب فضائل زید بن حارثہ الخ۔

ان التبنیٰ کان معمولاً بہ فی الجاہلیۃ والاسلام یتوارث بہ ویتناصر الی ان نسخ اللہ ذلک۔
 دور جاہلیت اور اسلام میں متنبیٰ بنانا معمول بہ تھا۔ اس کی بنیاد پر لوگ ایک دوسرے کے وارث ہوتے اور باہم نصرت وحمایت ہوتی۔ یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے اسے منسوخ قرار دے دیا۔

خاندان کی عصبیت:

خاندان میں دوڑ کے رشتوں کے مقابلہ میں قریب کے رشتوں کو زیادہ اہمیت حاصل ہوتی ہے۔ نیچے کی سطح پر ان میں جو استواری اور استحکام پایا جاتا ہے وہ اوپر کی سطح پر باقی نہیں رہتا۔ دونوں کے درمیان کسی مرحلہ میں تصادم ہو تو آدمی کی ہمدردی قریب کے لوگوں سے ہوتی ہے۔ اہل عرب میں شدید خاندانی اور قبائلی تعصب تھا۔ اس میں قریب کے رشتے کو دوڑ کے رشتوں پر ترجیح حاصل تھی۔ خاندان اور قبیلہ کا مقابلہ ہو تو خاندان کا ساتھ دیا جاتا۔ خاندان کی حمایت کے جذبے نے تعصب کی شکل اختیار کر لی تھی۔ حق و صداقت اور عدل و انصاف کی جگہ خونی رشتوں کو اہمیت حاصل تھی۔ قریب کے افراد کی نصرت و حمایت کو ہر حال میں فرض سمجھا جاتا۔ ایک عربی شاعر کہتا ہے۔

لا یسألون اِخاہم حین یندبہم فی النناہات علی ما قال برہانا
 (مشکلات میں جب ان کا بھائی انھیں آواز دیتا ہے تو اس سے اس کے پکارنے کی

وجہ نہیں پوچھتے)

دور جاہلیت کا مشہور شاعر طرفہ اپنے چچا زاد بھائی سے خطاب کر کے کہتا ہے:

قریبست بالقریبیٰ و جدک اننی متی یک امر للنیثۃ اشہد
 (میں نے دوستی کا حق ادا کیا ہے، قسم ہے تیری تقدیر کی جب کوئی پر خطر معاملہ

درپیش ہوگا میں ضرور حاضر رہوں گا)

وان أدع للجلئی اکن من حماتہا وان یأتک الأعداء بالجہد اجہد
 (اور اگر کسی بڑی مصیبت کے وقت مجھے آواز دی گئی تو میں تیری عزت کے

عرب کا قبائلی نظام اور اسلام کی اصلاحات

حامیوں میں رہوں گا اور اگر دشمن تیرے مقابلہ پر اتر آئیں تو میں تیری مدافعت کروں گا۔)

وان یقذفوا بالقذع عرضک استقیہم بکأس حیاض الموت قبل التہذد

(اور اگر انھوں نے تیری عزت پر حملہ کیا تو میں ان کے دھمکی دینے سے قبل ہی

انھیں موت کا پیالہ پلا دوں گا۔)

قبائل کی جنگیں:

قبائل عرب کی اصل ایک تھی، لیکن اس کے باوجود ان کے درمیان جنگ و جدال اور خون ریزی ہوتی رہتی تھی۔ بعض اوقات بہت معمولی باتوں پر تلواریں نکل آتیں اور خون خرابہ کی نوبت آجاتی۔ ان کی ان جنگوں میں فجار کے نام سے چار جنگیں مشہور ہیں:

فجار اول: عکاظ کے میلہ میں بدر بن معشر الغفاری کی خاص مجلس ہوتی تھی۔ وہاں وہ اپنی اونچی حیثیت کا اعلان کرتا اور فخر و غرور کا اظہار کرتا۔ ایک روز پیر پھیلا کر بیٹھ گیا اور کہنے لگا کہ میں عرب کا سب سے معزز فرد ہوں۔ جو کوئی یہ سمجھتا ہے کہ وہ مجھ سے بھی زیادہ باعزت ہے وہ اس پیر پر تلوار مار دے۔ ایک شخص اٹھا اور تلوار چلا دی اور پیر کو زخمی کر دیا۔ اس پر دونوں قبیلے لڑ پڑے۔

فجار ثانی: بنو عامر کی ایک عورت بازار عکاظ میں بیٹھی ہوئی تھی۔ قریش کے ایک نوجوان نے اس کے گرد چکر لگانا شروع کر دیا اور اس سے چہرہ کھولنے کے لیے کہا۔ اس نے انکار کر دیا۔ (اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں شریف عورتیں پردہ کیا کرتی تھیں) یہ نوجوان خاموشی سے پیچھے بیٹھ گیا اور اس کے تہہ بند میں ایک کانٹا اس طرح لگا دیا کہ جب وہ اٹھی تو اس کا پچھلا حصہ کھل گیا۔ اس پر سب لوگ ہنس پڑے۔ عورت نے آل عامر کو آواز دی۔ وہ ہتھیار لے کر آگے بڑھے۔ ادھر اس نوجوان نے بنو کنانہ کو آواز دی۔ وہ بھی آگئے اور میدان کارزار گرم ہو گیا۔

فجار ثالث: بنو عامر کے ایک شخص نے بنو کنانہ کے ایک شخص کو قرض دیا تھا۔ وہ اس کی ادائیگی میں ٹال مٹول کرنے لگا تو دونوں قبیلے لڑ پڑے۔ کہا جاتا ہے کہ عبد اللہ

بن جدعان نے اپنی طرف سے قرض ادا کیا تو یہ جنگ ختم ہوئی۔

نجرار الخ: نعمان بن منذر ملک حیرہ اپنا تجارتی قافلہ، جس میں اونٹوں پر کپڑے اور خوش بو کا سامان ہوتا، بازار عکاظ بھیجتا، تاکہ یہ چیزیں یہاں فروخت ہوں اور ان کی قیمت سے طائف کی دباغت شدہ کھالیں خریدی جائیں۔ قافلہ کو وہ کسی عرب سردار کی ذمہ داری پر بھیجتا، تاکہ اس کی حفاظت ہو سکے۔ ایک مرتبہ اس نے اس مقصد سے قافلہ بھیجنے کی تیاری کی تو اس کے پاس عرب کے کچھ افراد موجود تھے۔ ان میں بنو کنانہ کا براص اور ہوازن کا عروہ الزحال بھی شامل تھے۔ براص نے کہا کہ میں بنو کنانہ کی ذمہ داری لیتا ہوں کہ وہ اس سے تعرض نہیں کریں گے۔ نعمان بن منذر نے کہا: میں تو ایسا شخص چاہتا ہوں جو پورے اہل نجد و تہامہ کی طرف سے پناہ دے سکے۔ اس پر عروہ الزحال نے کہا کہ میں یہ پناہ فراہم کر سکتا ہوں۔ براص نے کہا کہ کیا تم کنانہ کے مقابلہ میں بھی پناہ دو گے؟ عروہ نے کہا: ہاں! کنانہ کیا اہل شیخ و قیسوم (عرب کی ساری آبادی) کے مقابلہ میں پناہ دے رہا ہوں۔ اس پر براص سے اس کی نگر اور تو تو میں میں ہونے لگی۔ عروہ جب سفر سے واپس ہوا تو براص بھی اس کے پیچھے اس کے قتل کے ارادے سے نکل پڑا۔ ایک جگہ عروہ نے قیام کیا اور داد عیش دینے لگا۔ اسے شراب میں مست پا کر براص نے اسے قتل کر دیا۔ اس کی اطلاع ایک شخص نے کنانہ کو اس وقت دی جب وہ عکاظ میں ہوازن کے ساتھ تھے۔ کنانہ وہاں سے نکل پڑے، تاکہ حد و حرم میں پہنچ جائیں، لیکن ہوازن کو بھی یہ خبر مل گئی تو انھوں نے کنانہ کا تعاقب کیا اور حرم میں پہنچنے سے پہلے ہی اسے جالیا۔ دونوں قبائل کے درمیان چھ روز تک کشت و خون کا بازار گرم رہا۔ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ابو طالب کنانہ کی طرف سے جنگ میں شریک تھے۔ رسول اللہ ﷺ کو بھی ساتھ لے گئے تھے۔ اس وقت آپ کی عمر چودہ پندرہ سال تھی۔ ابن سعد کی روایت ہے کہ آپ بیس سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے۔ جنگ میں جو تیر دشمن کی طرف سے آتے اور زمین پر گر جاتے آپ انھیں اٹھا کر اپنے قبیلہ کے جنگ بازوں کو دیتے۔ بالآخر یہ جنگ عتبہ بن ربیعہ کی دعوت صلح پر ختم ہوئی۔ اس میں

عرب کا قبائلی نظام اور اسلام کی اصلاحات

قبیلہ قیس کے زیادہ آدمی مارے گئے تھے۔ قریش نے زائد مقتولوں کی دیت ادا کی۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے دیت نہیں لی۔

حلیف قبائل:

قبائل کے درمیان اقتدار کے لیے کشمکش اور طاقت آزمائی بھی ہوتی رہتی تھی۔ اس کے لیے بعض قبائل مل کر ایک گروہ بن جاتے۔ ان کے مقابلہ میں دوسرے قبائل کا گروپ وجود میں آ جاتا اور وہ ایک دوسرے کے تعاون کا فیصلہ کرتے۔ اسے حلیف کہا جاتا۔

’حلف‘ کے معنی قسم کے ہیں۔ دو فریقوں کا اس بات پر عہد کہ ان کے درمیان اتحاد و اتفاق ہوگا اور وہ ہر حال میں ایک دوسرے کی نصرت و حمایت کریں گے، اسے بھی حلف کہا جاتا ہے۔ اس لیے کہ اس عہد و پیمانہ پر قسم کھائی جاتی تھی۔ معاہدہ کرنے والا ہر فریق دوسرے کا حلیف کہلاتا۔ دور جاہلیت میں خزاعہ نے بنو اسد کو حرم سے نکال باہر کیا تو اس نے قبیلہ طے سے دوستی اور تعاون کا عہد کیا۔ اس لیے بنو اسد اور طے کو ’حلیفان‘ (ایک دوسرے کے حلیف) کہا جاتا تھا۔ اس کے بعد بنو اسد نے بنو فزارہ سے اسی طرح کا عہد کیا تو ان دونوں کو بھی ’حلیفان‘ کہا جانے لگا۔

قصی بن کلاب نے صحیح معنی میں قریش کو متحد کیا۔ خزاعہ اور بنو بکر وغیرہ قبائل کو مکہ کے اطراف سے نکال باہر کیا اور قریش کو حرم کے چاروں طرف آباد کیا۔ اپنے کارناموں کی وجہ سے وہ بلا شرکت غیرے قریش کے سردار تھے۔ ان کی قیادت کو چیلنج کرنے والا کوئی نہ تھا۔ مکہ پر ان ہی کی حکمرانی تھی۔ ان کے پاس ’حجابہ‘، ’سقایہ‘، ’رفادہ‘، ’ندوہ‘ اور ’لواء‘ کے مناصب تھے۔

۱۔ ابن سعد (طبقات ۱/۱۲۶-۱۲۸) اور ابن ہشام (السیرۃ النبویہ: ۱/۲۲۱-۲۲۲) وغیرہ نے صرف اسی حرب فجار کا ذکر کیا ہے، جس میں رسول اللہ ﷺ کی شرکت ہوئی تھی۔ سبیلی اور مسعودی وغیرہ نے ان چاروں کا تذکرہ کیا ہے۔ اس وقت پیش نظر برہان الدین حلبی کی السیرۃ التحلییہ: ۱/۱۲۶-۱۲۸ ہے۔ اس میں ان چاروں بڑائیوں کی تفصیل بیان ہوئی ہے۔

۲۔ فیروز آبادی القاموس المحیط، مادہ حلف، ابن منظور، لسان العرب، مادہ حلف

۳۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۱۶۱۔ ’حجابہ‘ کے معنی ہیں بیت اللہ کی چابیوں پر قبضہ کا ہونا جس کا (بہ) اگلے صفحہ پر

قصی بن کلاب کے چار بیٹے تھے: عبد الدار، عبد مناف، عبد العزی اور عبد (باپ کے نام پر اس کا نام بھی قصی تھا) دو بیٹیاں نخر اور بڑہ تھیں۔ قصی کی حیات ہی میں ان کے بیٹے عبد مناف نے کافی ترقی کی تھی اور لوگوں میں ان کا احترام پایا جاتا تھا۔ عبد العزی اور عبد (قصی بن قصی) کا بھی یہی حال تھا۔ قصی کے بڑے بیٹے عبد الدار کی یہ حیثیت نہیں تھی۔ قصی نے اپنی زندگی کے آخری دنوں میں عبد الدار سے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ تمہیں بھی تمہارے بھائیوں کا سا مقام حاصل ہو۔ چنانچہ قصی نے اپنے تمام مناصب عبد الدار کے حوالے کر دیے۔ قصی کے فیصلے سے اختلاف کی کسی میں ہمت نہیں تھی۔ سب ہی بھائیوں نے اسے تسلیم کر لیا اور اس پر عمل جاری رہا۔ لیکن بھائیوں کے بعد عبد مناف کی اولاد نے کہا کہ قوم کے اندر ہمیں جو مقام اور حیثیت حاصل ہے اس لحاظ سے ان مناصب کے ہم زیادہ مستحق ہیں۔ عبد الدار کی اولاد نے کہا کہ یہ مناصب لازماً ہمارے پاس ہوں گے۔ قصی کے فیصلہ کو تبدیل نہیں کیا جاسکتا۔ بعض قبائل نے بنو عبد مناف کا ساتھ دیا اور بعض نے بنو عبد الدار کا۔ بعض قبائل نے اس تنازعہ سے الگ رہنا پسند کیا۔

بنو عبد مناف نے ایک بڑے برتن میں خوش بو بھری اور کعبہ کے پاس رکھ دیا۔ وہ اور ان کے حلیف اس میں ہاتھ ڈال کر آپس میں تعاون اور ایک دوسرے کا ساتھ دینے اور کبھی ساتھ نہ چھوڑنے کا عہد کرتے اور کعبہ پر اپنا ہاتھ پھیرتے۔ یہ عہد کو پختہ کرنے کی صورت تھی۔ ان قبائل کو 'مطمینین' کہا گیا، یعنی جنہوں نے خوش بو کا استعمال

(بقیہ صفحہ گذشتہ) اس پر قبضہ ہوتا وہ جس کے لیے چاہے کعبہ کا دروازہ کھولتا اور جس کے لیے بند کرنا چاہتا بند کر دیتا۔ 'سقایہ' یعنی زمزم کا پانی پلانا۔ حاجیوں کی خدمت بہت بڑی سعادت سمجھی جاتی تھی، چنانچہ حج کے ایام میں زمزم خالص شکل میں یا اس میں شہد، دودھ یا نیبڈ ملا کر حاجیوں کو پلانا ایک اہم دینی منصب تھا۔ رفاہ یعنی مہمان نوازی۔ حج کے زمانہ میں حاجیوں کے کھانے کا نظم کرنا بھی ایک دینی ذمہ داری سمجھی جاتی تھی۔ اس کے لیے قریش اپنے اپنے اموال سے ایک متعین مقدار قصی کے پاس جمع کرتے تھے۔ یہ سلسلہ بعد میں بھی جاری رہا۔ 'ندوہ' سے مراد رائے اور مشورہ کے لیے جمع ہونا۔ قصی نے دار الندوہ قائم کیا تھا۔ تمام اہم امور وہیں طے ہوتے تھے۔ 'لواء علم' یا جھنڈے کو کہا جاتا ہے۔ جنگ میں علم بردار وہی ہوتا جسے سردار منتخب کرتا۔ یہ تمام مناصب قصی کو حاصل تھے۔

عرب کا قبائلی نظام اور اسلام کی اصلاحات

کیا۔ دوسری طرف بنو عبد الدار اور ان کے حلیفوں نے بھی کعبہ کے پاس عہد کیا کہ وہ ہر حال میں ایک دوسرے کا تعاون کریں گے اور حلیفوں کا ساتھ نہیں چھوڑیں گے۔ انھیں 'احلاف' کہا جانے لگا۔

دونوں فریقوں نے جنگ کی تیاری شروع کر دی، لیکن جلد ہی انھیں احساس ہوا کہ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کو ختم کر دیں گے۔ اس پر ان کے درمیان صلح ہو گئی کہ بنو عبد مناف کو سقایہ اور افادہ کے مناصب حاصل ہوں گے اور بنو عبد الدار حسب سابق حجابہ، ندوہ اور لواء کے مناصب اپنے پاس رکھیں گے۔

سیرت کا یہ ایک اہم اور نمایاں واقعہ ہے کہ اہل مکہ نے جب دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابہ کو حبشہ میں پناہ مل رہی ہے، حضرت حمزہؓ اور حضرت عمرؓ جیسے باہمت اور حوصلہ مند افراد آپ پر ایمان لے آئے اور آپ کا ساتھ دے رہے ہیں (اور آپ کے چچا ابو طالب آپ کی حمایت سے دست بردار ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں) تو قریش کے قبائل بنو ہاشم اور بنو مطلب کے خلاف باقاعدہ محاذ آرا ہو گئے اور ان کے سماجی مقاطعہ کا فیصلہ کیا۔ اس مقصد سے ایک تحریر تیار کی کہ بنو ہاشم اور بنو مطلب سے شادی بیاہ اور خرید و فروخت کا تعلق نہیں رکھا جائے گا اور ان سے میل جول اور سماجی تعلقات ختم کر دیے جائیں گے۔ اس تحریر کو کعبہ کے وسط میں لٹکا دیا گیا، تاکہ اس کا احترام ہو اور اس کی پوری پابندی کی جائے۔

یہ مقاطعہ دو تین سال جاری رہا۔ بعد میں ان ہی میں سے بعض افراد کی کوشش سے یہ غلط اور مبنی بر ظلم معاہدہ ختم ہوا۔

حلف الفضول:

کبھی اعلیٰ مقاصد کے لیے بھی قبائل اور ان کی مختلف شاخوں کے درمیان

۱ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۱۵۹-۱۶۹۔ ابن سعد، الطبقات الکبری: ۱/۲۶-۲۷۔ طبری، تاریخ الامم والملوک:

۱/۵۰۵-۵۰۹۔ دارالکتب العلمیة لبنان ۱۹۹۷۔ نیز ملاحظہ ہو۔ ابن کثیر، السیرة النبویة: ۱/۹۳-۱۰۲

۲ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۱/۳۸۸

۳ ابن ہشام، السیرة النبویة: ۱/۲۰۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری: ۱/۲۰۸-۲۱۰

معاہدہ ہو جاتا۔ اس کی بہترین مثال حلف الفضول ہے۔

حرب فجار کے چار ماہ بعد، زبیر بن عبدالمطلب کی تحریک پر بنو ہاشم، بنو عبدالمطلب بنو زہرہ بن کلاب، بنو اسد بن عبد العزیٰ اور بنو تمیم بن مرہ، عبد اللہ بن جدعان کے مکان پر جمع ہوئے اور قسم کھا کر عہد کیا کہ ظالم کوئی بھی ہو وہ سب اس کے خلاف ہوں گے اور ایک ہو کر مظلوم کا ساتھ دیں گے، چاہے وہ مکہ کا ہو یا مکہ سے باہر کا، یہاں تک کہ اس کا حق اسے مل جائے۔ اس پر ہم سب عمل کرتے رہیں گے جب تک سمندر اپنے جھاگ کو تر رکھے اور شیر اور حراء کی پہاڑیاں اپنی جگہ جمی رہیں (یعنی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے) اور ہم ایک دوسرے کی مالی مدد اور غم خواری کریں گے۔ رسول اللہ ﷺ اس میں شریک تھے۔ بعثت کے بعد رسول اللہ ﷺ نے اس پاکیزہ عہد کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

لقد شهدت فی دار عبد اللہ بن جدعان
حلفا ما احب ان لی بہ حمر النعم ولو
ادعی بہ فی الاسلام لاجبت لہ
میں عبد اللہ بن جدعان کے گھر میں ایک
ایسے معاہدہ میں موجود تھا کہ اس کے مقابلہ
میں سرخ اونٹ بھی میں پسند نہیں کروں گا۔
اگر اسلام میں بھی اس کی دعوت دی جائے تو
میں اسے قبول کروں گا۔

اسلام کی اصلاحات:

عرب کے خاندانی اور قبائلی نظام کی یہ ایک بہت ہی مختصر اور اجمالی سی تصویر ہے۔ عرب میں خاندان کا ادارہ ضرور موجود تھا۔ ان کے قبائلی نظام میں بعض خوبیاں بھی نظر آتی ہیں، لیکن اس میں خوبیوں سے زیادہ خامیاں اور خرابیاں در آئی تھیں۔ اسلام کا کارنامہ یہ ہے کہ اس نے قبائلی نظام میں بنیادی تبدیلیاں کیں اور اسے صحیح رخ عطا کیا۔ خاندان کو ایک فطری ادارہ کی حیثیت سے تسلیم کیا اور معاشرہ کی فلاح و ترقی کے لیے اس کے بقا کو لازمی قرار دیا، اس کی خرابیوں کو دور کیا اور اسے بہت ہی مستحکم بنیادیں فراہم کیں۔

۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویہ: ۱/۱۶۹-۱۷۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ: ۱/۱۲۸-۱۲۹۔ نیز ملاحظہ ہو: ابن کثیر، السیرۃ النبویہ: ۱/۲۵۷-۲۶۲۔ حلف الفضول کا مختصر سا ذکر راقم کی کتاب 'اسلام میں خدمت خلق کا تصور' میں بھی موجود ہے۔ حلف الفضول پر تفصیلی بحث کے لیے ملاحظہ ہو ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کا مقالہ سہ ماہی تحقیقات اسلامی علی گڑھ، اپریل-جون ۲۰۰۲ء

ازدواجی تعلق اور خونی رشتے خاندان کی اساس ہیں:

اسلام نے خاندان کی بنیاد جائز ازدواجی تعلق اور خونی رشتوں پر رکھی۔ اس نے کہا کہ اس کے بغیر کوئی شخص خاندان کا فرد شمار نہیں ہوگا اور اسے خاندان کے حقوق حاصل نہیں ہوں گے۔

مواخات کے حدود:

رسول اللہ ﷺ نے ہجرت کے فوراً بعد مہاجرین اور انصار کے درمیان مواخات قائم کی تھی۔ اس کی بنیاد پر مہاجرین کے ساتھ غیر معمولی ایثار اور حسن سلوک ہی کا رویہ اختیار نہیں کیا گیا، بلکہ انصار کے اموال میں ان کا قانونی حق بھی تسلیم کیا گیا اور وہ ان کے وارث قرار دیے گئے۔ یہ ایک پہلو سے خاندان میں باہر کے افراد کی شمولیت تھی اور اس سے خاندان کے حقوق متاثر ہو رہے تھے، اس لیے اس کی قانونی حیثیت ختم کر دی گئی۔ چنانچہ ارشاد ہے:

رشتہ دار، اللہ کی کتاب میں ایک دوسرے کی میراث کے (دوسروں کے مقابلہ میں) زیادہ حق دار ہیں۔ بے شک اللہ ہر چیز کو جانتا ہے۔

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ (الانفال: ۷۵)

اس کی مزید وضاحت ہوئی:

اور رشتہ دار، اللہ تعالیٰ کے قانون میں، دوسرے ایمان والوں اور مہاجرین سے زیادہ ایک دوسرے سے قریب ہیں۔ ہاں اگر تم اپنے رفیقوں کے ساتھ حسن سلوک کرنا چاہو (تو اس میں کوئی چیز مانع نہیں ہے) یہ اللہ کی کتاب میں لکھا ہوا ہے۔

وَأُولُوا الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُهَاجِرِينَ إِلَّا أَنْ تَفْعَلُوا إِلَىٰ أَوْلِيَاءِكُمْ مَعْرُوفًا كَانَ ذَٰلِكَ فِي الْكِتَابِ مَسْطُورًا (الاحزاب: ۶)

متنبی نہیں بنایا جاسکتا:

اسی اصول کے تحت تنبیہ کے رواج کو ختم کیا گیا۔ اس بات کی قانونی طور پر

ممانعت کر دی گئی کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے بچہ کو متبہنی بنا کر اسے اپنی اولاد کے حقوق عطا کر دے۔ قرآن نے صاف الفاظ میں کہا:

وَمَا جَعَلَ أَدْعِيَاءَكُمْ أَبْنَاءَكُمْ ذَلِكُمْ قَوْلُكُمْ بِأَفْوَاهِكُمْ وَاللَّهُ يَقُولُ الْحَقَّ وَهُوَ يَهْدِي السَّبِيلَ أَدْعَوْهُمْ لِآبَائِهِمْ هُوَ أَقْسَطُ عِنْدَ اللَّهِ فَإِنْ لَمْ تَعْلَمُوا فَبِأَخْوَانِكُمْ فِي الدِّينِ وَمَوَالِيكُمْ وَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ فِيمَا أَخْطَأْتُمْ بِهِ وَلَكِنْ مَا تَعَمَّدَتْ قُلُوبُكُمْ وَكَانَ اللَّهُ غَفُورًا رَحِيمًا (الاحزاب: ۴-۵)

اللہ نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے (حقیقی) بیٹے نہیں بنا دیے ہیں۔ یہ تو محض تمہارے منہ سے نکلی ہوئی بات ہے۔ اللہ حق کہتا ہے اور وہی سیدھا راستہ دکھاتا ہے۔ انھیں ان کے باپوں کی طرف منسوب کر کے پکارو۔ اللہ کے نزدیک یہی صحیح طریقہ ہے۔ اگر تمہیں ان کے باپوں کا علم نہ ہو تو وہ تمہارے دینی بھائی اور رفیق ہیں۔ تم سے (اس معاملہ میں) جو چوک ہو جائے اس پر کوئی گناہ نہیں۔ ہاں جو بات تمہارے دل کے قصد و ارادے سے نکلے (اس کی باز پرس ہوگی) اور اللہ غفور رحیم ہے۔

یہ اس امر کی صراحت ہے کہ متبہنی کی کوئی قانونی حیثیت نہیں ہے۔ وہ اپنے حقیقی باپ کی طرف منسوب ہوں گے۔ جن کا نسب ہی معلوم نہ ہو وہ دینی بھائی اور موالی ہیں۔ اس کے ساتھ حسن سلوک ہوگا۔ وہ کسی دوسرے فرد کی اولاد نہیں ہیں، اس لیے انھیں اولاد کے حقوق حاصل نہ ہوں گے۔

قریبی رشتوں کا تقدس:

خاندان کا تقدس اور پاکیزگی پامال ہو رہی تھی۔ بعض اوقات لوگ سوتیلی ماں سے شادی کر لیتے۔ قرآن نے اسے بڑی بے حیائی اور بے راہ روی قرار دیا:

وَلَا تَنْكِحُوا مَا نَكَحَ آبَاؤُكُمْ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّهُ كَانَ فَاحِشَةً وَمَقْتًا وَسَاءَ سَبِيلًا (النساء: ۲۲)

تمہارے باپ (دادا نانا) نے جن عورتوں سے نکاح کیا ہے ان سے تم نکاح نہ کرو۔ ہاں اس سے پہلے جو ہو چکا وہ ہو چکا۔ بے شک یہ بے حیائی کی حرکت اور (خدا کے) غضب کا کام اور برا طریقہ ہے۔

عرب کا قبائلی نظام اور اسلام کی اصلاحات

ایک غلط طریقہ یہ رائج تھا کہ آدمی دو بہنوں سے ایک ساتھ نکاح کر لیتا۔ یہ بھی ہوتا کہ بیوی کی موجودگی میں اس کی بہن سے نکاح کر لیا جاتا۔ یہ ایک غیر فطری عمل تھا۔ قرآن نے اسے حرام قرار دیا:

وَأَنْ تَجْمَعُوا بَيْنَ الْأُخْتَيْنِ إِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ إِنَّ اللَّهَ كَانَ غَفُورًا رَحِيمًا (النساء: ۲۳)

(اللہ نے حرام کیا ہے) کہ تم دو بہنوں کو نکاح میں جمع کر لو۔ ہاں جو ماضی میں ہو چکا، ہو چکا، بے شک اللہ بڑا معاف کرنے والا اور رحیم ہے۔

اس میں حقیقی، سوتیلی اور رضاعی بہنیں شامل ہیں۔ احادیث میں بیوی کے ساتھ اس کی خالہ یا پھوپھی سے نکاح کو بھی منع کیا گیا ہے۔

قرآن نے ماں، بیٹی، بہن، پھوپھی، خالہ، بھانجی، بھتیجی، رضاعی ماں، رضاعی بہن، بیوی کی ماں (خوش دامن) ربیبہ (بیوی کی وہ لڑکی جو دوسرے شوہر سے ہو) لڑکے کی بیوی (بہو) سے نکاح کو حرام قرار دیا ہے۔ (النساء: ۲۳)

اس طرح اسلام نے قریب ترین رشتوں کے احترام کا جذبہ پیدا کیا اور اس احترام کو ختم کرنے کی کسی حال میں اجازت نہیں دی، تاکہ خاندان جنسی جذبات کی آماج گاہ نہ بننے پائے۔

لڑکیاں زندہ درگور نہ ہوں گی:

خاندان میں جو طاقت ور ہوتا وہ کم زور پر ظلم کے تیر چلاتا اور مختلف طریقوں سے ان کے حقوق پامال کرتا۔ خاص طور پر عورتیں اور یتیم اس کا نشانہ بنتے۔

لڑکوں کے مقابلہ میں لڑکیوں کی کوئی حیثیت نہیں تھی، بلکہ انھیں بوجھ سمجھا جاتا۔ بعض اوقات لڑکیاں زندہ درگور کر دی جاتیں۔ اسلام نے اس کے خلاف آواز بلند کی اور اسے ایک ایسا سنگین جرم قرار دیا جس کی باز پرس سے آدمی قیامت کے روز بچ نہیں سکتا:

وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ بِأَيِّ ذَنْبٍ قُتِلَتْ (الکوہ: ۸-۹)

جب زندہ دفن کی گئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ کس جرم میں اس کی جان لی گئی تھی۔

چار نکاح کی اجازت عدل کی شرط کے ساتھ:

آدمی جتنی عورتوں سے چاہے، شادی کر سکتا تھا۔ اسلام نے بہ یک وقت چار سے زیادہ بیویوں کی اجازت نہیں دی اور شرط یہ رکھی کہ ان کے ساتھ نان نفقہ اور سلوک میں عدل و انصاف اور مساوات ہو۔ اگر اس کا یقین نہ ہو تو کہا گیا کہ ایک ہی نکاح کیا جائے۔

وَإِنْ خِفْتُمْ أَنْ لَّا تَعْدِلُوا فَوَاحِدَةً
اگر تمہیں ڈر ہو کہ بیویوں کے ساتھ انصاف
نہ کرو گے تو صرف ایک نکاح کرو۔ (النساء: ۳)

طلاق کا طریقہ:

طلاق کی کوئی حد نہ تھی۔ آدمی جتنی مرتبہ چاہے اور جتنی مدت کے لیے چاہے طلاق دیتا اور جب جی چاہے، رجوع کر لیتا۔ اسلام نے اس پورے مسئلہ کو ایک خاص رخ سے دیکھا اور ایک نئے ڈھنگ سے حل کیا۔ اس نے کہا کہ عقد نکاح مودت و محبت کا رشتہ ہے۔ اسے جہاں تک ہو سکے باقی رکھنے کی کوشش ہونی چاہیے، اس لیے کہ اس کا منقطع ہونا پورے خاندانی نظام کو متاثر کر سکتا ہے۔ اختلافات ہوں تو انہیں دُور کرنے کی ممکنہ تدابیر، جن کی اس نے خود وضاحت کر دی ہے، اختیار کی جانی چاہئیں۔ اس کے باوجود طلاق دینی ہی پڑے تو صرف دو بار وقفہ وقفہ سے طلاق دی جاسکتی ہے۔ ان میں عدت کے درمیان رجوع کا حق حاصل ہوگا۔ اگر تیسری بار طلاق دی جائے تو رجوع کا حق ختم ہو جائے گا اور اس سے دوبارہ نکاح اسی وقت صحیح ہوگا جب کہ وہ کسی دوسرے مرد کے نکاح میں جائے اور وہ بھی اسے طلاق دے دے (یا اس کی موت واقع ہو جائے) اس کے بعد پہلا شوہر عورت سے دوبارہ نکاح کرنا چاہے اور عورت بھی اس کے لیے آمادہ ہو تو نکاح کر سکتا ہے:

الطَّلَاقُ مَرَّتَانٍ فَاِمْسَاكٌ بِمَعْرُوفٍ
اَوْ تَسْرِيحٌ بِاِحْسَانٍ..... فَاِنْ طَلَّقَهَا
فَلَا تَحِلُّ لَهٗ مِنْ بَعْدِ حَتَّىٰ تَنْكِحَ
طلاق دوبارہ ہے (اس میں رجوع ہو سکتا ہے)
اس کے بعد یا تو دستور کے مطابق بیوی کو رکھا
جائے یا بھلے طریقہ سے اسے چھوڑ دیا جائے

عرب کا قبائلی نظام اور اسلام کی اصلاحات

..... (البقرة: ۲۲۹-۲۳۰) پھر اگر اس عورت کو (تیسری بار) طلاق دی تو وہ اس کے لیے حلال نہ ہوگی جب تک کہ وہ کسی دوسرے سے نکاح نہ کرے۔

ظہار اور اس کا کفارہ:

عربوں میں ظہار کا طریقہ رائج تھا۔ وہ یہ کہ آدمی بیوی سے کہتا 'انت علی کظہرامی' (تم میرے لیے میری ماں کی بیٹھکی کی طرح ہو) اور علیحدگی اختیار کر لیتا۔ اسے طلاق سمجھا جاتا تھا۔ قرآن نے کہا کہ یہ ایک لغو اور بے ہودہ بات ہے کہ آدمی بیوی کو ماں قرار دے بیٹھے:

الَّذِينَ يُظَاهِرُونَ مِنْكُمْ مِنْ نِسَائِهِمْ
مَا هُنَّ أُمَّهَاتُهُمْ إِنَّ أُمَّهَاتِهِمْ إِلَّا الَّتِي
وَلَدْنَهُمْ وَأَنْهُمْ لَيَقُولُونَ مُنْكَرًا مِنَ
الْقَوْلِ وَزُورًا وَإِنَّ اللَّهَ لَعَفُورٌ
غَفُورٌ (المجادلة: ۲)

تم میں سے جو لوگ اپنی عورتوں سے ظہار کریں وہ ان کی مائیں نہیں ہو جائیں۔ ان کی مائیں تو وہ ہیں جنہوں نے انہیں جنم دیا ہے۔ بے شک جو لوگ ظہار کرتے ہیں وہ ایک ناپسندیدہ اور غلط بات کہتے ہیں اور بے شک اللہ بڑا معاف کرنے اور بخشنے والا ہے۔

حکم ہوا کہ اگر کوئی شخص ظہار کی غلط حرکت کر بیٹھے تو بیوی سے ازدواجی تعلق رکھنے سے پہلے لازماً کفارہ ادا کرے۔ کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام آزاد کیا جائے، اس کی استطاعت نہ ہو یا اس کی کوئی صورت نہ ہو تو مسلسل ساٹھ روزے رکھے۔ یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔ (المجادلة: ۳-۴)

ایلاء اور اس کا حکم:

اہل عرب میں 'ایلاء' کا بھی دستور تھا۔ 'ایلاء' کے معنی ہیں عورت کو چھوڑ دینے کی قسم کھانا۔ حضرت سعید بن المسیب فرماتے ہیں کہ دور جاہلیت میں عورتوں کو تنگ کرنے کا یہ ایک طریقہ تھا۔ آدمی اپنی بیوی کو طلاق دے کر آزاد نہیں کرتا تھا، اس لیے کہ وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی دوسرا اس سے شادی کر لے۔ وہ قسم کھا کر بیوی سے تعلق ختم

کردیتا۔ وہ شوہر والی ہونے کے باوجود عملاً بے شوہر کے زندگی گزارنے پر مجبور ہوتی۔
حضرت عبد اللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اہل جاہلیت کا ایلاء سال دو سال،
بلکہ اس سے زیادہ عرصہ کے لیے ہوتا۔

قرآن مجید نے اس ظلم کو ختم کیا اور اس کی مدت چار ماہ متعین کی۔ ارشاد ہے:
لِلَّذِينَ يُؤَلُّونَ مِنْ نِسَائِهِمْ نَرْبُصُ
أَرْبَعَةَ أَشْهُرٍ فَإِنْ فَاءَ وَإِذَا فَاءَ اللَّهُ غُفُورٌ
رَحِيمٌ وَإِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَإِنَّ اللَّهَ
سَمِيعٌ عَلِيمٌ (البقرة: ۲۲۶-۲۲۷)

وہ لوگ جو اپنی عورتوں سے تعلق نہ رکھنے کی قسم
کھاتے ہیں ان کے لیے چار ماہ کی مہلت
ہے۔ اگر وہ اس میں رجوع کر لیں تو اللہ غفور و
رحیم ہے۔ لیکن اگر وہ طلاق کا ارادہ ہی کر لیں
تو اللہ تعالیٰ سننے اور جاننے والا ہے۔

اس حکم کی رو سے اگر کوئی شخص عورت کو چھوڑ دینے کی قسم کھالے اور چار ماہ
کے اندر رجوع کر لے تو اسے قسم کا کفارہ ادا کرنا ہوگا۔ لیکن اگر اس نے طلاق ہی کا
فیصلہ کر لیا ہے تو اسے طلاق دے دینی چاہیے۔ ورنہ فقہ شافعی کی رو سے حاکم تفریق
کر دے گا۔ احناف کے نزدیک چار ماہ کی مدت گزر گئی اور آدمی نے رجوع نہیں کیا تو
خود بخود طلاق واقع ہو جائے گی اور رجوع کا حق باقی نہیں رہے گا۔

عورتوں سے حسن سلوک کی ہدایت:

ان ناروا اور ظالمانہ طریقوں کے علاوہ عام زندگی میں عورت کے ساتھ طرح
طرح کی زیادتیاں ہوتیں، غیر مہذب اور غیر اخلاقی رویہ اختیار کیا جاتا۔ قرآن نے حسن
سلوک اور اعلیٰ اخلاقی رویہ اختیار کرنے اور عورت میں کوئی کم زوری ہو تو بھی اسے
درگزر کرنے کا حکم دیا:

وَعَاشِرُوهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ
كُرِهْتُمُوهُنَّ فَعَسَى أَنْ تَكْرَهُوا شَيْئًا
وَيَجْعَلَ اللَّهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيرًا
(النساء: ۱۹)

ان کے ساتھ معروف کے مطابق زندگی
گزارو۔ اگر (کسی وجہ سے) تم ان کو ناپسند کرتے
ہو تو یہ بھی ہو سکتا ہے کہ تم ایک چیز کو ناپسند کرو
اور اللہ نے اس میں بڑی بھلائی رکھی ہو۔

۱۔ ابن حبان اندلی، البحر المحیط، ۱۹۱/۲۔ ایلاء پر تفصیلی بحث کے لیے دیکھی جائے ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۲۶۸-۲۶۹

وراثت میں عورت کا حق:

دور جاہلیت میں عورت وارث نہیں ہوتی تھی۔ وراثت میں اس کا کوئی حق تسلیم نہیں کیا جاتا تھا۔ اسلام نے وراثت میں اسے شریک کیا اور اس کا حق متعین کیا:

لِلرِّجَالِ نَصِيبٌ مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ
وَالْأَقْرَبُونَ وَلِلنِّسَاءِ نَصِيبٌ
مِّمَّا تَرَكَ الْوَالِدَانِ وَالْأَقْرَبُونَ مِمَّا
قَلَّ مِنْهُ أَوْ كَثُرَ نَصِيبًا مَّفْرُوضًا
(النساء: ۷)

مردوں کا بھی حصہ ہے اس مال میں جو ماں
باپ اور قرابت دار چھوڑ جائیں اور عورتوں کا
بھی اس مال میں حصہ ہے جو ماں باپ اور
قرابت دار چھوڑ جائیں، چاہے وہ کم ہو یا
زیادہ (ہر ایک کا) حصہ طے شدہ ہے۔

یتیم کا حق نہ مارا جائے:

خاندان میں یتیموں کے ساتھ بڑا ظلم ہوتا۔ خود ان کے اولیاء اور سرپرست ان پر زیادتی کرتے اور ان کے مال اور جائداد پر قبضہ کر لیتے۔ قرآن نے اس پر آخرت کی وعید سنائی اور اس سے باز رہنے کی تاکید کی:

إِنَّ الَّذِينَ يَأْكُلُونَ أَمْوَالَ الْيَتَامَى
ظُلْمًا إِنَّمَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ نَارًا
وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيرًا (النساء: ۱۰)

جو لوگ یتیموں کے مال ناحق کھاتے ہیں
وہ حقیقت میں اپنے پیٹوں میں آگ بھر
رہے ہیں اور جلد ہی جہنم کی دہکتی آگ
میں داخل ہوں گے۔

یتیموں کے ساتھ ہمدردی، خیر خواہی اور الفت و محبت کا جو رویہ اختیار کیا جانا چاہیے اور اس کے مال کی جس طرح حفاظت ہونی چاہیے اس کی بھی وضاحت کی۔ (النساء: ۶)

صلہ رحمی کی ہدایت:

خونی رشتوں کے احترام اور صلہ رحمی کا حکم دیا:

وَاتَّقُوا اللَّهَ الَّذِي تَسَاءَلُونَ بِهِ
وَالْأَرْضَ حَامِ إِنَّ اللَّهَ كَانَ عَلَيْكُمْ
رَقِيبًا (النساء: ۱)

اور ڈرتے رہو اس اللہ سے جس کے
واسطے تم ایک دوسرے سے اپنے
حقوق کا مطالبہ کرتے ہو اور رشتوں کا
پاس رکھو۔ بے شک اللہ جو کچھ تم کرتے
ہو اسے دیکھ رہا ہے۔

اللہ کے نیک بندوں کی ایک خاص صفت یہ بتائی گئی کہ جن تعلقات کو
جوڑنے کا انہیں حکم دیا گیا ہے انہیں وہ جوڑے رکھتے ہیں۔ اس میں صلہ رحمی سب سے
پہلے آتی ہے:

وَالَّذِينَ يَصِلُونَ مَا آمَرَ اللَّهُ بِهِ أَنْ
يُوصَلَ وَيَخْشَوْنَ رَبَّهُمْ وَيَخَافُونَ
سُوءَ الْحِسَابِ (الرعد: ۲۱)

وہ جو ان تعلقات کو جوڑتے ہیں جن کے
جوڑنے کا اللہ نے حکم دیا ہے اور اپنے
رب سے ڈرتے ہیں اور (آخرت کے)
برے حساب کا خوف رکھتے ہیں۔

آیت میں تعلقات کو جوڑے رکھنے کا ذکر خدا کی خشیت اور آخرت کے خوف
کے ساتھ کیا گیا ہے۔ اس سے اہمیت واضح ہوتی ہے۔
قطع رحم کی سختی سے ممانعت کی گئی۔ اسے ایمان کے منافی اور منافقانہ کردار
قرار دیا گیا۔ منافقین کے بارے میں ارشاد ہے:

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا
فِي الْأَرْضِ وَتَقَطَعُوا أَرْحَامَكُمْ
(محمد: ۲۲)

اگر تم دین سے پھر گئے اور کفر کی طرف
پلٹ گئے تو بعید نہیں کہ زمین میں فساد
پھیلانے اور قطع رحم (آپس میں خون
خراہ) کا ارتکاب کرنے لگو۔

قربت داروں کے حقوق متعین نہیں تھے۔ قریب کے رشتہ داروں کے قانونی
حقوق متعین کیے گئے اور دُور کے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، تعاون اور ہمدردی
کا حکم دیا گیا۔ اس کا اندازہ اس سے کیا جاسکتا ہے کہ احکام وراثت کے ذیل میں ارشاد

عرب کا قبائلی نظام اور اسلام کی اصلاحات

ہے کہ حق داروں کا حق ادا کیا جائے اور جن ضرورت مندوں کا قانونی حق نہیں ہے انھیں نظر انداز نہ کیا جائے۔ وہ حسن سلوک کے مستحق ہیں۔ اس میں سب سے پہلے رشتہ دار آتے ہیں:

وَإِذَا حَضَرَ الْقِسْمَةَ أُولُو الْقُرْبَىٰ
وَالْيَتَامَىٰ وَالْمَسَاكِينُ فَارْزُقُوهُمْ مِنْهُ
میں سے کچھ دے دو اور ان سے بھلی بات
کہو!

قبائل کا اتحاد:

قبائل عرب ایک دوسرے کے حریف بن گئے تھے۔ ان کے درمیان عداوتیں اور دشمنیاں پرورش پا رہی تھیں۔ معمولی باتوں پر ایک دوسرے کے خلاف تلواریں نکل آتیں اور خون ریزی شروع ہو جاتی۔ اسلام نے ان حریف اور متحارب قبائل میں اخوت و محبت کے جذبات پیدا کیے اور ان سب کو جوڑ کر ایک ملت بنایا اور وہ اپنے اختلافات اور تعصبات کو بھول کر باہم شیر و شکر ہو گئے۔ اسی احسان عظیم کا ان الفاظ میں ذکر ہے:

وَأذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ كُنْتُمْ
أَعْدَاءً فَأَلَّفَ بَيْنَ قُلُوبِكُمْ فَأَصْبَحْتُمْ
بِنِعْمَتِهِ إِخْوَانًا وَكُنْتُمْ عَلَىٰ شَفَا حُفْرَةٍ
مِّنَ النَّارِ فَأَنْقَذَكُمْ مِنْهَا.....
(آل عمران: ۱۰۳)

تم اللہ کے اس احسان کو یاد کرو جب کہ تم ایک دوسرے کے دشمن تھے۔ اللہ نے تمہارے دلوں کو محبت سے جوڑ دیا اور تم اس کے فضل سے بھائی بھائی بن گئے اور تم ایک آگ کے گڑھے کے کنارے پہنچ چکے تھے، اللہ نے تمہیں اس سے بچالیا۔

۱۔ اسلام نے عرب کے خاندانی نظام میں جو اصلاحات کیں ان کی طرف یہاں صرف اشارات کیے گئے ہیں۔ ان کی تفصیل کے لیے راقم کی حسب ذیل کتابیں دیکھیں جائیں: عورت۔ اسلامی معاشرہ میں، مسلمان عورت کے حقوق اور ان پر اعتراضات کا جائزہ، اسلام انسانی حقوق کا پاساں۔

اس کا اطلاق عرب کے سب ہی قبائل پر ہوتا ہے، لیکن اصلاً اس میں مدینہ کے اوس اور خزرج کی تصویر کشی کی گئی ہے۔ ان کے درمیان بار بار جنگ کے شعلے بھڑکتے رہتے تھے۔ جنگ بعاث، جنگ داس اور جنگ حاطب جیسی جنگیں اس کا ثبوت فراہم کرتی ہیں۔ ہجرت سے پہلے حج کے موسم میں رسول اللہ ﷺ جس طرح دوسرے قبائل کے سامنے اسلام کی دعوت پیش فرماتے اسی طرح عقبہ کے مقام پر خزرج کے وفد کو بھی اسلام کی دعوت دی۔ انھوں نے اسے قبول کرتے ہوئے کہا کہ ہماری قوم کے درمیان جو عداوت اور دشمنی ہے وہ کسی دوسری قوم میں نہیں ہوگی۔ اللہ تعالیٰ آپ کے ذریعہ ہمارے درمیان شاید یہ اتحاد پیدا فرمادے۔ ہم اس کے سامنے آپ کا پیغام رکھیں گے اور جس دین کو ہم نے قبول کیا ہے اسے قبول کرنے کی دعوت دیں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ اس پر ہم سب کو متحد و متفق کر دے تو ہمارے درمیان آپ سے زیادہ محترم و معزز کوئی دوسرا شخص نہ ہوگا۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اوس اور خزرج کے قبائل کا کیا حال تھا۔ زختری اور بعض دیگر مفسرین نے لکھا ہے کہ اوس و خزرج ایک ماں باپ کی نسل سے تھے، لیکن ان کے درمیان عداوت اور دشمنی کا سلسلہ ایک سو بیس (۱۲۰) برس سے جاری تھا۔ بالآخر اسلام نے اس آگ کو بجھایا اور رسول خدا ﷺ کے ذریعہ ان کے درمیان الفت و محبت پیدا فرمائی۔

عالم گیر امت وجود میں آگئی:

قبائلی نظام ایک تنگ دائرہ میں محدود تھا۔ وہ اسی دائرہ میں اپنے معاملات و مسائل حل کرنے کی کوشش کرتا تھا۔ اس سے باہر کی دنیا کو وہ دیکھ نہیں پاتا تھا۔ اسلام نے اسے فکر و نظر کی اس تنگنائی سے نکالا اور اسے انسانیت کا وسیع تصور دیا۔ اس نے

۱۔ ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، دار احیاء التراث الاسلامی، بیروت ۱۹۹۳ء، ۲/۳۲

۲۔ زختری، الکشاف، ۱/۳۸۷

عرب کا قبائلی نظام اور اسلام کی اصلاحات

بتایا کہ پوری دنیا کے انسان ملکوں، خطوں، نسلوں، زبانوں اور الگ رنگ و روپ کے اختلاف کے باوجود ایک ہیں، اس لیے کہ ان کی اصل ایک ہے، وہ سب ایک اللہ کے بندے اور ایک ماں باپ کی اولاد ہیں۔ خاندان اور قبیلے محض تعارف کا ذریعہ ہیں ان کی بنیاد پر نوع انسانی کی تقسیم نہیں کی جاسکتی:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّا خَلَقْنَاكُمْ مِنْ ذَكَرٍ
وَأُنْثَىٰ وَجَعَلْنَاكُمْ شُعُوبًا وَقَبَائِلَ
لِتَعَارَفُوا إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ
اتَّقَاكُمْ إِنَّ اللَّهَ عَلِيمٌ خَبِيرٌ
اے لوگو! بے شک ہم نے تم کو ایک مرد اور
ایک عورت سے پیدا کیا اور تمہیں قوموں اور
قبیلوں میں کر دیا، تاکہ ایک دوسرے کو پہچان
سکو۔ بے شک تم میں زیادہ باعزت اللہ تعالیٰ
کے نزدیک وہ ہے جو سب سے زیادہ تقویٰ
والا ہو۔ یقیناً اللہ جاننے والا اور باخبر ہے۔

جب سارے انسان ایک ہی ہیں تو ان کی صلاح و فلاح کا راستہ بھی ایک ہی ہو سکتا ہے۔ وہ راستہ ہے خدا کی عبادت و اطاعت اور اس کی بندگی کا۔ اس راستہ کی طرف قرآن دعوت دیتا ہے:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي
خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُونَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمْ الْأَرْضَ
فِرَاشًا وَالسَّمَاءَ بِنَاءً وَأَنْزَلَ مِنَ
السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الثَّمَرَاتِ
رِزْقًا لَكُمْ فَلَا تَجْعَلُوا لِلَّهِ
أُنْدَادًا وَأَنْتُمْ
تَعْلَمُونَ (البقرة: ۲۱-۲۲)

اے لوگو! اپنے رب کی عبادت کرو جس
نے تم کو اور تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا،
تاکہ تم تقویٰ کی زندگی گزار سکو۔ (تمہارا
رب) جس نے تمہارے لیے زمین کو فرش
اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی
برسایا اور اس سے تمہارے کھانے کے
لیے پھل پیدا کیے۔ پس کسی کو اللہ کے مد
مقابل نہ ٹھہراؤ اگر تم جانتے ہو۔

اس طرح اسلام نے ان قبائل کے درمیان اتحاد و اتفاق پیدا کیا جو باہم جنگ و

جدال اور کشت و خون میں گرفتار تھے۔ ان کے اختلاف و انتشار کو رفع کر کے انھیں ایک وحدت میں تبدیل کیا اور ایک امت بنایا۔ جو قبائل بہت ہی محدود دائرہ میں سوچنے اور صرف اپنے مفاد کو دیکھنے کے عادی تھے انھیں ایک آفاقی اور عالمی نقطہ نظر عطا کیا اور انھیں ساری دنیا کے امام اور رہنما کی حیثیت سے کھڑا کیا۔ اس کے نتیجہ میں وہ صالح انقلاب برپا ہوا جس کی مثال تاریخ کے صفحات میں تلاش کرنے سے بھی نہیں ملتی۔

غیر مسلموں سے تعلقات اور ان کے حقوق

مولانا سید جلال الدین عمری

ہندوستان کے پس منظر میں مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان کیسے تعلقات ہونے چاہئیں؛ یہ موضوع کافی اہمیت اختیار کر گیا ہے، اس لئے کہ فرقہ پرستوں نے اس سلسلہ میں بہت سی غلط فہمیاں پیدا کر دی ہیں۔ مثلاً انھوں نے یہ پروپیگنڈا کیا ہے کہ اسلام اپنے ماننے والوں کے علاوہ دوسروں کو موجب گردن زنی قرار دیتا ہے اور اس میں مذہبی رواداری اور توسع نہیں پایا جاتا۔ اس کتاب میں غیر مسلموں کے ساتھ حسن سلوک ان کی مذہبی آزادی اور مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان معاشرتی، معاشی اور سیاسی تعلقات پر اسلامی نقطہ نظر سے بحث کی گئی ہے۔ فاضل مصنف کے جاندار اور رواں دواں قلم نے سلیس اور دکش اسلوب میں پیچیدہ مسائل کی گتھی سلجھائی ہے۔

ہندوستان کے پس منظر میں غیر مسلموں سے تعلقات کے موضوع پر اپنی نوعیت کی پہلی مفصل کتاب، دعوت و تبلیغ کے میدان میں کام کرنے والوں کی ایک اہم ضرورت آفسیٹ کی حسین طباعت، عمدہ کاغذ، صفحات: ۳۳۲ قیمت (مجمد) =/۱۰۰ روپے

≡ ملنے کے پتے ≡

ادارہ تحقیق و تصنیف اسلامی، پوسٹ بکس نمبر: ۹۳، علی گڑھ۔

مرکزی مکتبہ اسلامی، بلیئرز، دعوت نگر ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵